مسئلہ تکفیر میں ظاہر و باطن کے مابین تلازم کی نوعیت اور حکم، تحقیقی مطالعہ

Nature and Order of the Connection Between Outer and Innner in Takfir, A Research Study

Dr. Hafiz Rizwan Abdullah [1]
Muhammad Behzad Anwar [2]

Abstract:

Takfīr is one of the many temptations of present times, which is a terrible temptation that more or less all Muslims have fallen under. Simple people deceive Muslims and make them victims and pave the way for killings. Ahl al-Sunnah wa Al-Jamā'ah have its rules and regulations. A fatwā of disbelief can be imposed on someone only after the conditions are found and the obstacles are not found. The scholars of Ahl al-Sunnah fully consider these rules and regulations, conditions and obstacles, especially when making takfīr of someone. It is very important to trust his appearance with his inside. Mostly people suffer from extremes in the interrelationship between outer and inner. In the research article under consideration, the interrelationship between Zāhir (outer) and Bātin (inner) and its importance in the issue of takfīr among Sunnīs have been highlighted so that those people who do not understand the interrelationship between Zāhir and Bātin due to extremism or because of extremism have been highlighted. Because of this, they stick the fatwās of disbelief and cause unrest and disorder in the society.

Keywords: *Takfīr, temptation, killinngs, fatwā, Ahl al-Sunnah, outer and inner*

یہ بات ضروری نہیں ہے کہ مظاہر کفر میں سے کسی کا ارتکاب کرنے سے انسان کافر ہو جائے گا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کسی فعل پر کفر کا حکم لگانا اور بات ہے اور کسی کو کافر قرار دینا ایک الگ چیز ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں امور کا متعلق ایک نہیں ہے، لہذا دونوں کے احکام کی نوعیت میں بھی فرق ہے۔ کسی ظاہر فعل پر کفر کا حکم لگانے کا تعلق مکمل طور پر شرعی حکم سے ہے، البتہ فاعل پر کفر کا حکم لگانے سے پہلے اس کا قصد وارادہ اور احوال کو دیکھنا ضروری ہے۔ اس میں حکم کا تعلق مطلق طور پر شریعت سے نہیں بلکہ فاعل کے ساتھ بھی ہوتا ہے۔

یہاں یہ بات ذہن نشین رہے کہ قصد وارادہ سے مراد صرف فعل کا ارادہ نہیں ہے کیونکہ مجنون وغیرہ کے فعل کے علاوہ کوئی فعل ایسا نہیں جو بغیر ارادے کے انجام پا جائے، یہاں ارادہ سے مراد کام کرنے کا عزم مصمم ہے جس میں انسان کو کام کرنے یا نہ کرنے کا اختیار بھی حاصل

[1]. Lecturer, Department of Islamic Studies, Govt. Graduate College, Khanewal
(rizwan.alhafiz89@gmail.com)
[2]. Ph.D Scholar, Department of Islamic Thought & Civilization, International Islamic University, Malaysia
(mbakpo786@gmail.com)

ہوتا ہے۔ یہی وہ ارادہ ہے جس پر تکلیف شرعی کا مدار ہے۔ لہٰذا یہاں قصد سے مراد وہ ارادہ فعل ہے جو در حقیقت فاعل کا مقصود اور محرک ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ارادہ فعل ہی در حقیقت نیت ہے جس پر جزاو سزا اور مدح وذم مترتب ہوتے ہیں۔ رسول اکرم ﷺ نے بھی اس ارادہ فعل کی تفہیم فرمائی ہے، چنانچہ آپ نے فرمایا:

إِنَّمَا الأَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ، وَإِنَّمَا لِكُلِّ امْرِئٍ مَا نَوَى.[3]

"اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے اور انسان کے لیے وہی ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔"

اس حدیث کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ نیت اور ارادہ جازم کے بغیر فعل کا وقوع نہیں ہوتا بلکہ اس کا مقصود وغایت یہ ہے کہ فاعل کے اختلافِ نیت وارادہ سے اعمال کے مراتب بھی ایک جیسے نہیں رہتے، بلکہ جس میں جتنا اخلاص ہے اس کا مرتبہ اتنا ہی بلند ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس حدیث کے الفاظ اس موخر الذکر مفہوم کے لیے باعث ترجیح بنتے ہیں کہ انسان کے لیے وہی ہے جس کا اس نے ارادہ کیا۔

پھر اس حدیث میں اللہ اور اس کے رسول کی رضا طلبی کی خاطر اور دنیا طلبی اور حسین عورت سے نکاح کی خاطر ہجرت کرنے والے کی تمثیل بیان کی۔ فعل کا وقوع دونوں سے ہوا لیکن اختلافِ نیت سے اختلافِ اجر وثواب ہو گیا۔

یہاں یہ اعتراض نہیں کیا جاسکتا کہ تکفیر معین کا حکم لگانے میں اشتراطِ نیت کا مطالبہ ایک ایسا مطالبہ ہے جس کا تعلق ایک مخفی اور باطنی چیز کے حکم تکفیر سے ہے اور اس باطنی چیز (ارادہ) کے بارے میں باخبر ہونا ناممکن ہے، لہٰذا تکفیرِ معین میں نیت کی شرط لگانا درست نہیں۔

یہ اعتراض اس لیے درست نہیں کہ اہل سنت کے نزدیک ظاہر اور باطن باہم لازم وملزوم ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ اہلسنت کا منہج یہ ہے کہ شروط کے پائے جانے اور موانع کے نہ ہونے کی صورت میں بھی وہ نہ تو مطلقا تلازم کے قائل ہیں اور نہ مطلقا عدم تلازم کے قائل ہیں۔ نیت دراصل ایک باطنی اور پوشیدہ چیز ہے جس کا ادراک ناممکن ہے لیکن جب ظاہری طور پر شرائط ثابت ہو جائیں تو پھر اس ظاہر کے حسبِ حال باطن پر حکم لاگو ہو گا۔ گویا باطن (نیت وارادہ) پر حکم لگانے کے لئے ظاہر (افعال) ضروری ہے، بلاواسطہ اس پر شرعی حکم نافذ نہیں کر سکتے۔

ظاہر اور باطن کے تعلق کی حقیقت:

جس طرح ظاہر اور باطن کے مابین تعلق کی حقیقت میں اختلاف ہے اسی طرح لوگوں پر حکم لگانے میں بھی اختلاف ہے۔ کچھ لوگوں کا نقطہ نظر یہ ہے کہ لوگوں پر کفر کا حکم ان کے باطن کے اعتبار سے ہوگا۔ محض ظاہری عمل ایسی قطعی دلیل نہیں جسے سامنے رکھ کر کفر کا فیصلہ ہو سکے۔ جبکہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ ظاہر اور باطن ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ مطلقاً ظاہر عمل کو دیکھ کر باطن پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں آراء باہم متناقض ومتضاد ہیں۔ صحیح اور معتدل منہج اہل سنت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے ظاہر اور باطن دونوں کا اعتبار ضروری ہے۔ ظاہر اور باطن ایک دوسرے کو لازم وملزوم ہیں لیکن ان کا یہ تلازم کلی نہیں ہے۔ آیئے ان مناہج کے بارے تفصیل سے بات کرتے ہیں:

---

[3]۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، ریاض، دار السلام للنشر والتوزیع، الطبعۃ الاولی ۱۹۹۹ء، رقم الحدیث: ۱، ص: ۱۔

Bukhāri, Muḥammad bin Ismā'il, *Al-Jāmi Al-ṣaḥīḥ*, Riyadh, Dār al-Salām, 2nd ed. 1999, Hdith:1, p.1

ظاہر اور باطن کے مابین عدم تلازم کے قائلین:

اس کے قائلین مرجئہ ہیں۔ دراصل ان کا یہ منہج حقیقتِ ایمان کے منہج سے ماخوذ ہے۔ایمان کی حقیقت کے بارے میں انھوں نے کہا کہ وہ فقط تصدیق کا نام ہے،اس کی تحقیق وثبوت کے لیے ظاہری عمل کی کوئی ضرورت نہیں بلکہ ظاہری عمل کے بغیر باطن ہی میں ایمان کامل اور مکمل ہوتا ہے۔

اسی طرح کفر کی حقیقت کے بارے میں انھوں نے کہا کہ وہ فقط تکذیب کا نام ہے۔تکذیب ایک باطنی اور مخفی امر ہے،لہذا محض ظاہری عمل اس کو ثابت کرنے کے لئے قطعی دلیل نہیں ہے۔ جس طرح باطنی اور مخفی ایمان کی معرفت کا ایک ہی راستہ ہے اور وہ ہے اقرار۔اسی طرح کفر کی پہچان کا راستہ یہی ہے کہ زبان سے اس کا اعلان اور اظہار کیا جائے،صرف عمل اس کو ثابت کرنے کے لیے کافی نہیں۔انہوں نے جس طرح ایمان کے لیے عمل کو ضروری خیال نہیں کیا اسی طرح کفر کو بھی باطنی چیز قرار دے کر اس کو ظاہر عمل سے الگ کر دیا۔

مرجئہ کے اس موقف پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ شریعت نے بہت سے ظاہری اعمال پر لفظ کفر کا اطلاق کیا ہے۔اگر مرجئہ ان اعمال کے مرتکب کے بارے میں کفر کا فیصلہ صادر کرتے ہیں تو یہ ان کے اپنے ہی مؤقف اور منہج کے خلاف ہے کہ فیصلہ کفر میں ظاہری اعمال معیار نہیں اور اگر وہ اپنے منہج پر قائم رہتے ہیں تو گویا وہ ان سارے شرعی صریح احکام کو پس پشت ڈال رہے ہیں۔

جواب: امر واقع یہ ہے کہ ان مرجئہ نے اپنے مذہب کو نہیں چھوڑا،حقیقت ایمان اور ظاہر و باطن کی حقیقت تلازم میں وہ اپنے منہج پر قائم رہے،البتہ شرعی احکام اور کفر سے متصف اعمال کے حوالے سے ان کے پاس دو راستے ہیں:

1۔ظاہر اور باطن پر حکم لگانا ایک جیسا نہیں بلکہ دونوں میں فرق ہے۔ظاہر پر کفر کا حکم لگانے سے باطن پر یہ حکم کفر لازم نہیں آتا۔کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ شرعی نصوص کی دلالت کی بنیاد پر ظاہر پر کفر کا حکم لگا دیا جاتا ہے جبکہ باطن میں ایمان کا متحقق ہونا عین ممکن ہوتا ہے کیونکہ جب باطن میں تصدیق موجود ہے تو ایمان بھی موجود ہے۔تصدیق ہی تو ایمان ہے،لہذا یہ ضروری نہیں کہ جس پر کفر کا حکم لگا دیا وہ لازمی طور پر کافر ہی ہو،وہ مؤمن بھی تو ہو سکتا ہے۔اس کے باطنی طور پر مؤمن ہونے کا سبب یہ نہیں ہے کہ ظاہر پر کفر کا حکم لگانے میں اجتہادی غلطی ہو گئی ہے بلکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ظاہر پر حکم لگانے اور باطن پر حکم لگانے کے مابین تلازم نہیں ہے۔جب تلازم نہیں تو باطن،ظاہر سے متاثر بھی نہیں۔اس ضمن میں مرجئہ علماء میں سے ایک رقمطراز ہے:

> "اگر کسی شخص کے بارے معلوم ہو جائے کہ اس نے تعظیم اور الوہیت کے اعتقاد کے ساتھ بتوں کو سجدہ نہیں کیا بلکہ سجدہ کرتے ہوئے اس کا دل تصدیق کے ساتھ مطمئن تھا تو اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا۔اگرچہ ظاہری طور پر اس پر کفر کا اطلاق ہو گا،باطنی طور پر نہیں کیونکہ اس کا باطن تصدیق کے ساتھ مطمئن ہے"۔[4]

یہ بات یاد رہے کہ یہاں حالتِ اکراہ مراد نہیں ہے جس میں بظاہر انسان بعض کفریہ اعمال کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے،حالانکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہوتا ہے۔یہاں ان کی مراد یہ ہے کہ بتوں کو سجدہ کرنے سے دل سے انتفائے ایمان لازم نہیں آتا۔اس تخریج کا ظاہر شریعت کے قطعی دلائل کے مخالف ہے۔اس تخریج کا نفسِ مضمون،حقیقت ایمان کے بارے میں ان کی آراء اور ظاہر و باطن کے مابین تلازم کی حقیقت

---

[4]۔شریف جرجانی،شرح المواقف،طبع استنبول،۱۳۹۸ھ:۳/۲۵۰-۲۵۱

Sharīf Jarjānī, Sharah Al-Mawāqif, Istanbul, 1398AH, 250-251/3

کے بارے ان کے اقوال آپس میں متناقض و متعارض ہیں۔ مرجئہ کے علماء نے اس موقف میں اضطراب و تناقض دیکھا اور اس کا فساد و بطلان ان پر واضح ہو گیا تو انھوں نے ایک اور راستہ اختیار کیا۔

2۔ شارع نے کفر کا حکم لگا دیا تو گویا شارع نے اس کی تصدیق کی نفی کر دی۔ یہی وہ تصدیق ہے جو مرجئہ کے ہاں ایمان کی حقیقت ہے۔

یہ دوسری تخریج بھی صراحتاً عقل کے منافی ہے۔ یہ بات تو سبھی کو معلوم ہے کہ ہر کافر، رسول کی تکذیب کرنے والا نہیں بلکہ کچھ التزامِ شریعت سے اعراض کرنے کی بنا پر، کچھ شریعت کے ساتھ بغض کی بنا پر اور کچھ رسول سے نفرت کی وجہ سے دائرہ کفر میں داخل ہوتے ہیں، حالانکہ ان سب کے دلوں میں تصدیق موجود ہے۔ ابلیس کے کفر کی وجہ بھی تکذیب نہیں بلکہ عدمِ امتثالِ امر ہے۔

جب انھوں نے یہ موقف اختیار کیا کہ جس پر شریعت کی دلالت یہ ہے کہ وہ بظاہر کفر ہے تو باطنی ایمان کی بھی اس کے ساتھ نفی ہونی چاہیے۔ تو گویا ان کے نزدیک ظاہری عمل ایمان کا حصہ ہے کیونکہ جب تک ایمان کا لازم ظاہر میں موجود نہیں ہے اس وقت تک اس کا ثابت اور متحقق ہونا ممکن نہیں ہے۔ جب انھوں نے یہ مفروضہ قائم کیا کہ ایمان صرف تصدیق کا نام ہے تو پھر ان پر یہ لازم ٹھہرا کہ جس پر بھی شریعت نے کفر کا اطلاق کیا ہے وہ در حقیقت کفر نہیں ہے۔

مرجئہ کے اقوال میں تناقض ہے۔ اک طرف عدمِ اطاعتِ طلبی کے باوجود انسان مومن ہے۔ دوسری طرف عدمِ اطاعتِ طلبی، تسلیم اعتقادی کو ختم کر دیتا ہے، یعنی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ ہاں البتہ یہ تناقص اس وقت رفع ہو سکتا ہے اگر وہ قلبی عمل کو باطنی حقیقت ایمان میں داخل کر دیں۔ وہ ایسا نہیں کرتے، لہذا تناقض برقرار ہے۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے فرمایا:

> "اس مذہب کے ماہرین نے خوب جان لیا تھا کہ یہ سراسر تناقض ہے اور اصل کو فاسد کرتا ہے، لہذا انھوں نے کہا: انسان اس وقت کافر ہوتا ہے جب اس کے دل سے تصدیق ختم ہو جائے اور انھوں نے اس بات کا بھی التزام کیا کہ جس کو شریعت نے کافر قرار دے دیا اس کا دل اللہ اور اس کے رسول کی معرفت سے یکسر خالی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جمہور اہل عقل نے ان کی باتوں کا انکار کیا ہے اور کہا: یہ سینہ زوری اور سوفسطائیت کے سوا کچھ نہیں"۔[5]

ظاہر اور باطن کے مابین مطلق تلازم کے قائلین:

اس قول کی حقیقت یہ ہے کہ ظاہر، باطن پر مطلقاً حاکم ہے۔ دونوں ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ جب احکام کا تعلق ظاہر سے ہو تو باطن پر ظاہری عمل کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ باطن کو جاننا ممکن نہیں، لہذا اطن، ظاہر کی ایک مطابقی صورت ہے، چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "اگر اللہ تعالی نے نص یا قائم مقام نص کے ذریعے کسی عمل پر لفظ کفر کا اطلاق کیا ہے تو اس کا فاعل کافر ہو گا کیونکہ ہم ظاہر اور باطن کے مابین تلازم کو ثابت کرتے ہیں"۔[6]

---

[5]۔ احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ، الایمان، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع ثالث، ۱۴۰۱ھ ص: ۱۴۰۔۱۴۱

Ahmad bin Abdul Halīm, Ibn Taimiyah, *Al-Īmān*, Birut, Al-Maktab Al-Islāmī, 3rd ed.1401AH, p.140,141

[6]۔ عبد اللہ القنائی، حقیقۃ الایمان، طبع تہران، ص: ۱۰۲

Abdullah Al-Qanā'ī, *Haqīqat Al-Īmān*, P.102

اس مقدمے پر بنیاد رکھتے ہوئے یہ شکل سامنے آتی ہے کہ کسی معین شخص نے ظاہری طور پر شرکیہ اعمال میں سے کسی کا ارتکاب کر لیا تو شروط اور موانع دیکھے بغیر باطنی طور پر وہ لازماً مشرک ہو جائے گا۔

یہ حضرات فعل کے ساتھ قصد و ارادہ کی قید لگاتے ہیں لیکن ارادے سے مراد صرف اس ارادہ جازمہ کو لیتے ہیں جس کے سبب فعل متحقق ہوتا ہے اور اس کے ساتھ بوقت وقوعِ فعل انسان کو مکمل قدرت بھی حاصل ہو، البتہ قصد کا دوسرا معنی ان سے اوجھل ہو گیا۔ در حقیقت وہ دوسرا معنی نیتِ فعل اور اس کے وقوع کا اصلاً باعث ہوتا ہے۔[7] قصد کا یہی وہ معنی ہے جس پر مدح وذم اور جزا و سزا کا دار و مدار ہے۔

جس آدمی نے مامور بہ پر عمل نہ کیا تو گویا اس نے وہ کام کرنے کا عزم صمیم نہیں کیا تھا۔ اگر اس نے پختہ ارادہ کیا ہوتا تو اس سے فعل ضرور سرزد ہوتا۔ کبھی انسان کو فعل کے واجب اور مامور بہ ہونے کا علم ہوتا ہے لیکن وہ اس کو کرنے کا ارادہ نہیں کرتا تو اس صورت میں وہ گناہ گار ہو گا۔ کبھی انسان جاہل ہوتا ہے اور دلیل کا علم نہیں ہوتا یا دلیل تو اس کے پاس آئی لیکن اس کو کوئی شبہ لاحق ہو گیا جس کی بنا پر وہ فعل سرانجام دینے سے باز رہتا ہے ان صورتوں میں وہ معذور ہو گا، گناہ گار نہیں۔

اسی طرح جس نے بغیر کسی شرعی اکراہ کے منہی عنہ کا ارتکاب کر لیا تو اس کا یہ فعل لازماً اس کے قصد و ارادہ سے سرانجام پایا ہے۔ ہاں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ اس کے ارتکابِ فعل سے یہ لازم نہیں ٹھہرتا کہ اس نے مخالفت کی غرض سے ایسا کیا ہے۔ ممکن ہے اس کے پاس منع کی کوئی روایت نہ پہنچی ہو یا روایت تو پہنچی ہو لیکن عمل کرنے میں شبہ مانع ہو، لہٰذا وہ ان وجوہات کی بنا پر معذور ہو گا، گناہ گار نہیں۔

گذشتہ بحث سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ ظاہری طور پر کسی فعل کے ثابت ہونے اور مظاہر شرک میں سے کسی کا ارتکاب کر لینے میں ایسی کافی و وافی دلیل نہیں جو فاعل کے قصدِ فعل پر دلالت کرے کیونکہ اس بات کا بہر حال امکان موجود ہے کہ اس کے قصدِ فعل میں ایسا احتمال پایا جائے جس میں فی الواقع شرک کی ذرا بھی بو نہ ہو، لہٰذا محض اقوال و احوال کسی معین شخص کی حالت واضح کرنے سے قاصر ہیں۔ ہاں البتہ بسا اوقات یہ قابل اعتماد ہوتے ہیں۔

اس کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ کسی معین پر حکم لگانا ایک باطنی اور مخفی امر ہے جس پر کبھی اطلاع نہیں پائی جا سکتی۔ بلکہ ظاہر و باطن کے تلازم کی شروط اور موانع جاننے کے بعد یہ سب ممکن ہے کیونکہ وہ شرائط ہی ایسا علم ہیں جو جہالت، شبہات اور اکراہ کے منافی ہے۔ لیکن یہ حضرات قصد کا دوسرا معنی مراد نہیں لیتے، پہلے ہی معنی کو اس میں گھسیٹ کر داخل کرتے ہیں تو نتیجتاً اُن کے نزدیک جہالت عذر نہیں ہے، کفریہ اعمال میں متاول کا کوئی عذر قبول نہیں، لہٰذا اس بنا پر انہوں نے کہا کہ محض ظاہری اعمال کا ارتکاب کرنے سے معین شخص کافر ہو جائے گا اور بظاہر شرکیہ اعمال کا ترک ہی دراصل اسلام ہے۔ ان کے نزدیک ظاہر اور باطن کا تلازم مطلقاً ہے جس میں ظاہر ہی فیصلے کا معیار ہے۔

ظاہر و باطن کے تلازم میں اہل سنت و جماعت کا منہج:

اہل سنت کا منہج درمیانہ اور معتدل ہے۔ وہ ظاہر اور باطن کے مابین تلازم کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ شروط کے پائے جانے اور موانع کے نہ پائے جانے کے بھی قائل ہیں۔ وہ فاعل کے قصد و نیت کو بالائے طاق رکھ کر محض ظاہر کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور نہ ہی

---

[7] ۔عبدالمجید الشاذلی، حدالاسلام وحقیقۃ الایمان، مکہ المکرمہ، جامعہ ام القریٰ، ص: ۳۵-۵۲۔

Abdul Majeed Al-Shāzlī, *Hadd Al-Islām wa Haqīqat Al-Īmān*, Makkah Mukarramah, Jāmiah Umm Al-Qurā, p.35-52

ظاہر کو چھوڑ کر صرف نیت و قصد کے مطابق احکام صادر کرتے ہیں۔

وہ عمل اور نیت دونوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ شرعی ضوابط کے مطابق کسی معین شخص پر حکم لگانے کے لئے ان دونوں کے ثبوت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی معین شخص پر حکم لگانے کے لیے مطلق طور پر ظاہری عمل کو ناکافی سمجھتے ہیں، اسی طرح کسی پر حکم لگانے کے لئے محض باطن کافی نہیں، کیونکہ اس کی حالت کا علم وحی الٰہی کے علاوہ ممکن نہیں ہے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔ پھر ظاہری عمل کی نیت و قصد کے ساتھ مختلف حالتیں ہیں:

- بسا اوقات ظاہر عمل سرے سے ہی قصد و نیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ایسے میں اس کے اعمال کفریہ نہیں ہیں بلکہ قصد کفریہ ہے۔
- کبھی ظاہر عمل کھلا کفر ہوتا ہے اور قصد و نیت میں بھی کفر کے سوا اور کوئی احتمال نہیں ہوتا۔
- کبھی عمل میں کفر یا معصیت کا احتمال ہوتا ہے۔
- بسا اوقات عمل تو کفریہ ہوتا ہے لیکن اس کے قصد میں کفر یا عدم کفر کا احتمال ہوتا ہے۔

یہ چار صورتیں ہیں، ان کے درمیان فرق کرنا ضروری ہے۔ آیئے! تفصیل کے ساتھ ان کے احکام ملاحظہ کرتے ہیں:

پہلی حالت: باطنی کفر:

اس کے صحیح مصداق منافقین ہیں جو فی الحقیقت کافر تھے لیکن ظاہر طور پر اسلام کا اظہار کرنے کی وجہ سے ان کو کافر نہیں کہا جا سکتا۔ نبی ﷺ تو بعض منافقین کو فرداً فرداً جانتے تھے لیکن باوجود اس کے آپ ان کے ساتھ مسلمانوں والا معاملہ فرماتے تھے۔ یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ احکام ظاہر پر لاگو ہوتے ہیں اور لوگوں پر حکم لگانے میں یہی اصل معتبر ہے۔ امام شاطبیؒ کے مطابق یہ اصول اور قاعدہ قطعی ہے کہ احکام میں بالخصوص اور اعتقاد میں بالعموم ظاہر پر حکم لگایا جائے۔ نبی کریم ﷺ کو وحی کے ذریعے منافقین کی نشاندہی کر دی گئی لیکن آپ نے ان کے ظاہر کے مطابق معاملات جاری رکھے۔ آپؐ کے سامنے ان کا باطن کھل گیا تھا لیکن پھر بھی آپ کے لیے ظاہر کے مطابق فیصلہ کرنے کے لیے رکاوٹ نہ بنا۔ یہاں یہ اعتراض کرنا بے جا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے منافقین کے ساتھ مسلمانوں والا سلوک اس لئے کیا تاکہ لوگ یہ نہ کہیں کہ محمد ﷺ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کر رہا ہے۔ علت وہ نہیں جو انہوں نے سمجھ رکھی ہے۔ جب بیان کردہ علت ہی ختم ہو گئی تو کوئی مضائقہ نہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ جو اصول ثابت ہو چکا یہ حدیث اس پر سب سے بڑی دلیل ہے کیونکہ اگر یہ دروازہ کھول دیا جاتا تو ظواہر کی ترتیب بگڑ جاتی، وہ اس طرح کہ جس شخص کو ظاہر سبب کے باعث قتل کرنا واجب ہے، اس میں تو عذر واضح اور ظاہر ہے، کسی اشکال کا خدشہ نہیں اور جو بغیر کسی ظاہری سبب کے محض غیبی معاملے پر قتل کا مطالبہ کرتا ہے اس میں بسا اوقات خیالات بگڑ جاتے ہیں جس کے نتیجے میں اعمال پریشان کن ہو جاتے ہیں کیونکہ لوگ ظاہر دیکھتے ہیں، باطن نہیں۔ وہ مقتول بظاہر مسلمان ہے جسکی وجہ سے سادہ لوح عوام کے اذہان میں اسلام کے متعلق اشکالات اور نفرت پیدا ہونے کا خدشہ ہوتا ہے، اس لئے شریعت نے اس کا دروازہ ہی بند کر دیا۔ دعوے اور شہادتوں کے مسائل میں غور کیجیے کہ مدعی پر دلیل اور ثبوت ہے اور مدعا علیہ پر قسم۔ اس اصول سے کوئی شخص مستثنی نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی جب شہادت اور دلیل کی ضرورت پڑی تو فرمایا: "میرے لیے کون گواہی دے گا"۔ اس پر سیدنا خزیمہ بن ثابت نے گواہی

دی تو اللہ تعالی نے ان کی شہادت دو شہادتوں کے برابر کر دی۔ جب پیغمبر کی ذات اس سے مستثنیٰ نہیں ہے تو عام امتی کے بارے میں آپ کی کا کیا خیال ہے ! اگر دنیا کا سب سے جھوٹا شخص کسی نیک اور صالح انسان کے خلاف دعوی دائر کرے تو مدعی پر ثبوت اور دلیل ہو گی اور مدعی علیہ پر قسم ہو گی۔ مذکورہ مسئلہ بھی اسی طرح کا ہے۔ دونوں کا انداز اور طرز ایک ہی ہے، لہٰذا شرعی اوامر و نواہی کے اعتبار سے غیبی اعتبارات ساقط اور مہمل ہوں گے۔"[8]

دوسری حالت: ظاہر کی باطن پر قطعی دلالت:

اللہ تعالی، اس کے رسول اور دین اسلام کو گالی دینا کھلا کفر ہے۔ جو بھی مؤمن اللہ تعالی، اس کے رسول اور دین اسلام سے محبت کرتا ہے اس سے اس طرح فعل کا وقوع ناممکن ہے۔ جو گالی دیتا ہے اس کے دل میں بغض و نفرت ہے اور جو اللہ، رسول اور دین اسلام سے محبت نہیں کرتا اس کا دل ایمان سے خالی ہے۔ یہ بات بار رہے یہاں استحلال وعدم استحلال کو نہیں دیکھا جائے گا بلکہ گالی بذات خود کفر ہے اور اس انسان کے کفر پر بھی قطعی دلالت کرتی ہے جو اس کا ارتکاب کرتا ہے، لہذا جب ظاہر عمل کفریہ ہو اور باطن میں بھی کفر کے علاوہ اور کوئی احتمال نہ ہو تو ایسے انسان کی تکفیر لازم ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ نے اس شخص کے رد میں لکھا جو اللہ اور اس کے رسول کو طعن و تشنیع میں استحلال شرط قرار دیتا ہے:

چوتھی صورت یہ ہے کہ جب کفر کا باعث گالی نہیں، صرف حلت کا اعتقاد ہے تو پھر گالی میں تو ایسی کوئی دلیل باقی نہ رہی جو گالی دینے والے کے عقیدہ استحلال پر دلالت کرے، لہذا جو اس عقید کے بغیر گالی دے اس کی تکفیر نہ کی جائے۔ خاص طور پر جب آدمی اس طرح کی بات کہے کہ میرا عقیدہ ہے کہ یہ حرام ہے، میں تو یہ بات غیظ و غضب اور ہنسی کھیل کے لیئے کر رہا ہوں، جس طرح منافقین اسلامی احکام کو ہنسی کھیل کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ انما کنا نخوض ونلعب۔۔ اسی طرح جب کوئی آدمی یہ کہے: میں نے اس پر الزام اور جھوٹ ہنسی کھیل میں باندھا تھا۔ اگر ان لوگوں کو کافر نہ کہا جائے تو یہ نصِ قرآن کی صریح مخالفت ہے۔ اسی طرح اگر کوئی شخص کہے: میرا عقیدہ یہ ہے کہ فلاں کام گناہ اور نافرمانی ہے لیکن باوجود اس کے میں اس کو کرتا ہوں۔ اگر وہ فعل کفر نہیں تو اس آدمی کی تکفیر کیسے کی جائے گی؟ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لا تعتذروا قد کفر تم بعد ایمانکم -[9]

"تم عذر مت پیش کرو، بلاشبہ تم نے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔"

اللہ نے یہ نہیں فرمایا کہ تم نے اپنی اس میں جھوٹ بولا ہے بلکہ یہ بتایا کہ انھوں نے اس لہو ولعب کی وجہ سے ایمان کے بعد کفر کیا ہے۔[10]

اسی طرح ایک اور جگہ امام ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

---

[8] شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات، مصر، المکتبہ التجاریہ الکبری، ۲/۲۷۱-۲۷۲

Shāt'bī, Ibrāhīm bin Mūsā, *Al-Mawāfiqāt*, Egypt, Al-Maktabah Al-Tijāriyah, 271,272/2

[9] التوبہ، ۹:۶۶۔ Al-Toubah, 9:66

[10] ۔ابن تیمیہ، احمد بن عبد الحلیم، الصارم المسلول، بیروت، دار الکتب العلمیہ ۱۳۹۸ھ، ص: ۵۱۶-۵۱۷

Ibn Taimiyah, Ahmad bin Abdul Halīm, *Al-Sāri Al-Maslūl*, Beirut, Dār Al-Kutub Al-Ilmiyah, 1398AH, p.516,517

"اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول کو گالی دینا ظاہری اور باطنی اعتبار سے کفر ہے، خواہ گالی دینے والا اس کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھے یا حلال ہونے کا یا وہ اپنے عقیدے سے بالکل بے خبر ہی کیوں نہ ہو۔ یہ تمام فقہاء اور اہل سنت کا مؤقف ہے جو ایمان کو قول و عمل سے تعبیر کرتے ہیں۔"[11]

مسئلہ کا اصل راز یہ ہے کہ گالی دینے والے کا جہالت اور تاویل کی وجہ سے معذور ہونا ممکن نہیں ہے۔ اس کا یہ عمل اسلام اور ایمان کی اصل روح کے ہی منافی ہے۔ وہ اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین ہونے پر اور محمد ﷺ کے رسول ہونے پر راضی نہیں ہے۔ اس گالی دینے میں ایسا بھی کوئی احتمال نہیں ہے جس کی علت اصل دین کی معارضت کے علاوہ اور کچھ ہو، لہٰذا لازمی اور حتمی طور پر یہ گالی دینا ہی کفر ہے۔

اس بحث سے مرجئہ کا مؤقف بھی باطل ہو گیا جو ظاہر اور باطن کے تلازم کے مطلقاً قائل نہیں ہیں۔ ان کے مؤقف کے مطابق یہ لازم آتا ہے کہ جو شخص اللہ، رسول یا دین کو گالی دیتا ہے یا قرآن مجید کی بے حرمتی کرتا ہے تو ممکن ہے وہ باطنی طور پر مؤمن ہو۔

تیسری حالت: ظاہر فعل میں احتمال:

اس کی صورت یہ ہے کہ فعل داخلی طور پر عمومی مخالفت کے زمرے میں آتا ہو لیکن کفر ہونے پر اس کی قطعی دلالت نہ ہو۔ اس صورت میں اور بعد والی صورتوں میں اختلاف ہے، لہٰذا مثالوں کے ساتھ اس کو مفصل بیان کرنے کی ضرورت ہے۔ آیئے! چند ایک مثالوں کے ساتھ اس کی وضاحت کرتے ہیں:

1۔ اس کی پہلی مثال حاطب رضی اللہ عنہ بن ابی بلتعہ کا فعل ہے، جب انھوں نے قریش مکہ کو خط لکھا اور فتح مکہ کے لیے رسول اللہ کے بنائے ہوئے منصوبوں سے آگاہ کیا۔ اب ان کا یہ فعل عمومی طور پر کافروں سے موالات کے زمرے میں آتا ہے لیکن اس میں اس بات پر قطعی دلالت نہیں ہے کہ ان کی موالات دینی بنیادوں پر تھی۔ فی الحقیقت یہی وہ موالات اور دوستی ہے جو تکفیر کا باعث ہے بلکہ اس میں احتمال ہے کہ حضرت حاطب کی ان سے موالات تقیہ اور مدارات کی بنا پر ہو بلکہ اس میں ایک اور احتمال موجود ہے کہ ان کا یہ عمل مکہ میں اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے پیش نظر ہو۔ دنیاوی مصالح کے ساتھ اصل دین پر قائم ہو۔ حضرت حاطب کا عالم بھی یہی تھا۔

یہی وہ احتمال تھا جس کے باعث رسول اللہ ﷺ نے ان کے حق میں کفر کا فیصلہ نہیں کیا بلکہ ان سے سوال کیا: اے حاطب! یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! میرے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے جلد بازی نہ کیجیے۔ بات در اصل یہ ہے کہ میں قریش کے مابین رہائش پذیر تھا لیکن میرا وہاں کوئی نسبی تعلق نہ تھا، باقی سب مہاجرین کے عزیز و اقارب وہاں موجود تھے جو ان کے مال و اولاد کی حفاظت کرتے۔ میں نے سوچا جب میرا وہاں کوئی نسبی تعلق نہیں ہے تو کیوں نہ میں ان پر احسان کروں جس کے عوض وہ میرے قرابت داروں کا لحاظ کریں! میں نے یہ کام کفر یا دین سے ارتداد اختیار کرتے ہوئے نہیں کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ انھوں نے سچ بولا ہے۔ سیدنا عمر نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! مجھے اجازت دیجیے، میں اس کی گردن اڑا دوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

[11] ۔ابن تیمیہ، الصارم المسلول، ص: ۵۱۶۔

Ibn Taimiyah, *Al-Sāri Al-Maslūl*, p.516

وہ (حاطب)اہل بدر میں سے ہے اور تجھے کیا معلوم کہ اللہ تعالی نے اہل بدر پر مطلع ہو کر فرمایا: تم جو چاہو، عمل کرو میں نے تمہیں معاف فرمادیا ہے۔[12]

رسول اللہ ﷺ کی تفتیش کے بعد جو صورت حال واضح ہوئی وہ یہ تھی کہ سیدنا حاطب کا فعل معصیت تھا، کفر نہیں۔ یہی وجہ تھی کہ غزوہ بدر میں ان کی حاضری ہی ان کے گناہ کا کفارہ بن گئی۔ یہاں یہ کہنا بے جا ہے کہ ان کا یہ فعل کفریہ تھا اور ان کی تکفیر میں رکاوٹ غزوہ بدر میں ان کی حاضری تھی کیونکہ اگر ان کا یہ فعل کفر تھا تو کفر سابقہ سب نیکیوں کا صفایا کر دیتا ہے، جبکہ یہاں معاملہ کچھ اور ہے کہ غزوہ بدر والی نیکی ان کے گناہ کی تلافی کر رہی ہے۔ اگر گناہ کفر ہے تو نیکی کا خاتمہ ہونا چاہیے، نہ کہ نیکی کے باعث گناہ کا خاتمہ۔ امام شافعی نے فرمایا: "جیسا کہ ہم نے وضاحت کی، اس حدیث میں بھی دلیل ہے کہ ظنون واحتمالات کی موجودگی میں حکم نہیں لگایا جائے گا۔ سیدنا حاطب کے مراسلہ میں کئی احتمال تھے، جیسا کہ انھوں نے خود کہا کہ انھوں نے یہ کام اسلام میں شک وشبہ کی بناپر نہیں کیا بلکہ وہ تو اپنے اہل وعیال کا دفاع چاہتے تھے۔ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ یہ ان کی لغزش ہو، کلی اعراض نہ ہو اور اس میں سب سے قبیح معنٰی، یعنی کفر کا بھی احتمال موجود ہے۔ احتمالی فعلی میں فاعل کا قول معتبر ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو قتل کرنے کا حکم صادر نہیں فرمایا۔ امام شافعی سے پوچھا گیا، اس شخص کے بارے آپ کا کیا خیال ہے جو کہتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حاطب کو اس وجہ سے نہیں چھوڑا کہ اس کے فعل میں صدق اور عدم صدق کا احتمال تھا بلکہ اس لیے مواخذہ نہیں کیا کہ رسول اللہ ﷺ اس کی صداقت جان گئے تھے. جیسا کہ آپ کا فرمان انه قد صدقكم اس پر شاہد ہے۔ اس کا جواب یہ دیا جائے گا:

"رسول اللہ ﷺ کو بالیقین علم تھا کہ منافقین جھوٹے ہیں لیکن پھر بھی آپ نے ان کے ظواہر کو دیکھتے ہوئے ان کے عصمتِ خون کو برقرار رکھا۔ اگر حاطب کا مواخذہ ان کی صداقت جاننے کی وجہ سے نہیں ہوا تو پھر منافقین کے قتل کا فیصلہ ان کے جھوٹ واضح ہو جانے کے بعد ضرور ہو جانا چاہیے تھا!! بات ایسے نہیں ہے، نبی ﷺ نے جو بھی حکم لگایا وہ ظاہر کے مطابق لگایا اور اندر کے معاملات اللہ کے سپرد کر دیے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فعل غایت درجہ حکمت پر مبنی تھا تاکہ بعد میں آنے والا کوئی حاکم اسی طرح کی جاہلانہ علل کے باعث اپنے فیصلے ہی نہ چھوڑ دے، یعنی نہ کسی حاکم کو اندر کی صداقت وکذب کا علم ہو اور نہ وہ فیصلہ کرے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ظواہر کے مطابق فیصلہ کر کے ایک نہج اور راستہ فراہم کر دیا۔"[13]

2۔ان مثالوں میں سے حضرت معاذؓ کا قصہ ہے جس میں انھوں نے نبی کو سجدہ کیا۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

سیدنا عبداللہؓ بن ابی اوفی سے مروی ہے، کہ حضرت معاذؓ جب شام سے واپس لوٹے تو انھوں نے نبی ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ کر سجدہ کیا۔ آپ نے پوچھا، اے معاذ! یہ تم نے کیا کیا؟ انھوں نے جواب دیا: میں شام کے علاقے میں گیا، میں نے دیکھا کہ وہ لوگ اپنے پادریوں اور علماء

---

[12] بخاری، محمد بن اسمٰعیل، الجامع الصحیح، حدیث: ۴۸۹۰۔

Bukhārī, Muḥammad bin Ismaīl, *Al Jāmi Al Ṣaḥīḥ',* (Beirut: Dār Tawq al Nijāh, 1422 AH), Ḥadīth:4890

[13]۔ شافعی، محمد بن ادریس، الام، بیروت، دار الفکر، طبع اول، ۱۴۰۰ھ: ۲۶۴/۴

Shāf'ī, Muḥammad bin Idrees, *Al-Umm*, Beirut, Dār Al-Fikr, 1st ed. 1400AH, 264/4

کو سجدہ کرتے ہیں۔ میرے دل نے چاہا کہ ہم بھی آپ کو سجدہ کریں، لہٰذا میں نے آپ کو سجدہ کر دیا۔ رسول ﷺ نے فرمایا:

"ایسا مت کرو، اگر میں اللہ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے"۔[14]

حضرت معاذؓ نے جب اہل کتاب کو دیکھا کہ وہ اپنے علماء کو سجدہ کرتے ہیں تو وہ بھی نبی ﷺ کے لیے سجدہ تعظیم بجالائے۔ ہاں، لبتہ یہ بات یاد رہے کہ ان کا مقصد نبی ﷺ کی بندگی اور عبادت قطعاً نہیں تھا اور نہ وہ نبی ﷺ کا ویسا قرب چاہتے تھے جیسا سجدہ کے ذریعے اللہ رب العزت کا تلاش کیا جاتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو جب ان کے ارادے کا علم ہوا تو آپ ﷺ نے سجدہ تعظیم سے منع فرما دیا۔

سابقہ شرائع میں سجدہ تعظیم روا تھا۔ حضرت یوسفؑ کو ان کے باپ اور بھائیوں نے سجدہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے فرشتوں نے حضرت آدم کو سجدہ کیا۔ یہ سب سجدہ عبادت نہیں تھے بلکہ سجدہ تعظیم تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے اس حکم نے سجدہ تعظیم کو بھی منسوخ قرار دے دیا جواب کسی کے لیے روا نہیں۔ ابن کثیرؒ نے فرمایا: امام قتادہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان(واد قلنا للملکة اسجدوا لادم) کی تفسیر میں فرمایا:

"اطاعت اللہ کی تھی اور سجدہ آدم کو تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو اعزاز بخشا کہ فرشتوں کو ان کے لیے سجدہ کروایا۔ یہ سجدہ سلام و تعظیم سابقہ امتوں میں روا تھا لیکن ہماری ملت میں منسوخ ہو گیا"۔[15]

گزشتہ بحث سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ محض سجدہ کرنے سے عبادت لازم نہیں آتی اور جو بھی غیر اللہ کو سجدہ کرنے والا ہے، ضروری نہیں کہ وہ اس کی عبادت بھی کرنے والا ہو، لہذا انسان مشرک اسی وقت ہو گا جب وہ سجدہ کے ذریعے غیر اللہ کی بندگی اور قرب تلاش کرے گا۔ منسوخ ہونے کے بعد اب سجدہ تعظیم حرام ہے، شرک نہیں کیونکہ شرک میں جواز اور نسخ کا احتمال نہیں ہوتا۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اس مسئلہ پر طویل کلام کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"کس دلیل کی بنیاد پر یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ جس نے اللہ کے سوا کسی چیز کو سجدہ کیا، درحقیقت اس نے اس کی عبادت کی جبکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اگر میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے کیونکہ خاوند کا عورت پر عظیم حق ہے۔ یہ تو معلوم ہے کہ نبی ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر میں کسی کو عبادت کا حکم دیتا۔ یعنی سجدے کا ذکر ہے، عبادت کا نہیں۔"[16]

معلوم ہوا کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنے سے بظاہر یہ لازم نہیں ٹھہرتا کہ وہ اس کی بندگی بھی کر رہا ہے بلکہ اس میں اور احتمالات موجود ہیں۔ جب کسی فعل میں احتمال آجائے تو وہ فعل تکفیر معین کے لیے کافی نہیں ہوتا۔ ہاں، البتہ وہ شخص جو سجدہ کے ذریعے یا کسی اور وسیلے سے غیر اللہ کی بندگی کرتا ہے، وہ مشرک ہے اور جہالت کی وجہ سے اس کا کوئی عذر بھی مقبول نہیں۔

---

[14] ۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السنن، بیروت، داراحیاء الکتاب العربیہ، حدیث: ۲۱۴۰۔

Abu Dawūd, Sulemān bin Ash'ath, *Al-Sunan*, Beirut: Dār Iḥyā' al Kitāb al 'Arabiyyah, Ḥadīth: 2140

[15] ۔ابن کثیر، اسمٰعیل بن عمر، تفسیر القرآن العظیم، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۱ھ، ۷۸/۱

Ibn Kathīr, Ismā'īl bin Umar, *Tafsīr Al-Qurān Al-Azīm*, Beriut, Dār Al-Fikr, 1401AH, 78/1

[16] ابن تیمیہ، احمد بن عبدالحلیم، مجموع الفتاوی، السعودیہ، وزارۃ الشؤون الاسلامیۃ والدعوۃ والارشاد، ۳۶۰/۴

Ibn Taimiyah, Ahmad bin Abdul Halīm, *Majmū Al-Fatāwā*, Al-Saūdiah, Ministry of Islamic Affairs, 360/4

یہاں کلام صرف اس مسئلہ میں ہے کہ مطلقاً وہ سجدہ غیر اللہ کی بندگی پر قطعی دلالت کر رہا ہے یا نہیں۔ لہٰذا یہاں پر ان حقوق میں فرق کرنا لازمی ہے جو خالص اللہ کے ہیں اور جن کو کسی اور کی طرف پھیرنا شرک ہے اور ان حقوق کے مابین جو کسی اور کی طرف پھیرے جا سکتے ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے سجدہ ہی کے حوالے سے فرمایا:

> "خشوع و خضوع، قلبی اطاعت اور ربوبیت و عبودیت کا اعتراف ایسی چیزیں ہیں جو مطلق طور پر اللہ تعالیٰ کا حق ہیں، یہ کسی اور کے حق میں ممتنع اور باطل ہیں۔ اور سجدہ ایک شرعی حکم ہے جس کا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس کے لیے بجالائیں۔ اگر اللہ رب العزت ہمیں مخلوق میں سے کسی کو سجدہ کرنے کا حکم دے دیتا تو ہم اللہ کی اطاعت کرتے ہوئے اس غیر اللہ کو بھی سجدہ کرتے اور اگر اللہ تعالیٰ ہم پر سجدہ فرض نہ کرتا تو اس کا سرے سے شریعت میں وجود ہی نہ ہوتا۔ فرشتوں کا آدم کو سجدہ کرنا در حقیقت اللہ ہی کی اطاعت و بندگی اور قرب تھا۔ البتہ ان کا یہ فعل حضرت آدم کے لیے تعظیم اور اعزاز کا باعث تھا، اسی طرح یوسف کے بھائیوں کا ان کو سجدہ کرنا بھی سجدہ تعظیم تھا۔ ذرا غور کیجئے اگر اس کے بھائیوں کی بجائے یوسف خود اپنے والدین کو سجدہ کرتے تو کوئی حرج نہیں تھا، کیونکہ یہ محض سجدہ تعظیم تھا، سجدہ عبادت نہیں۔ [17]

چوتھی صورت: قصد اور ارادے میں احتمال ہونا:

اس حالت میں فعل کا حکم فاعل کے حکم سے مختلف ہے۔ بسا اوقات شرعی دلائل کی رو سے فعل کفریہ ہوتا ہے لیکن ارادہ فعل اس فعل کے موافق نہیں ہوتا۔

جو شخص شہادتین کے مفہوم کے منافی کام کرے گا اس کا کوئی عذر اور جہالت قبول نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور شریک کا وجود ماننا، عبادت کے ذریعے غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنا، شرعی احکام سے خروج کو جائز سمجھنا، یہ عقیدہ رکھنا کہ قرآن صرف عرب کے لیے نازل ہوا ہے اور غیر عرب کے لیے قرآن پر ایمان لانا واجب نہیں اور اس جیسے دیگر عقائد کا حامل ہو جو شہادتین کے مفہوم کے مخالف ہوں وہ شخص دائرہ اسلام سے خارج ہو گا۔ البتہ وہ شخص جو ایسے حکم سے بے خبر رہا جس کو جاننے کا ذریعہ صرف کتاب و سنت کے نصوص ہیں یا اس کو کوئی شبہ لاحق ہو گیا۔ جب اس کا وہ شبہ شرعی اعتبار سے معتبر ہے تو محض جہالت اور انکار پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔ اس کے قصد اور ارادے کے احتمال کو سامنے رکھتے ہوئے اس صورت میں اس کا یہی حکم ہو گا، یعنی اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

اس مسئلہ میں حقیقت حال یہ ہے کہ جو شخص شرعی دلائل و براہین سے بے خبر ہے اور اسی لاعلمی میں وہ کسی حکم کو جھٹلا دیتا ہے یا کسی محرم کا استحلال کرتا ہے تو وہ کافر نہیں ہے کیونکہ اس کے بارے میں شرعی مخالفت صحیح طور پر ثابت نہیں ہوئی، یہ مخالفت جبھی متحقق ہوتی اگر شرعی دلائل سامنے ہوتے۔ جب تک قیام حجت نہ ہو تو محض فعل کے تکذیب، استحلال اور کفر کے ساتھ متصف ہونے سے کوئی شخص کفر کے

---

[17] ۔ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ، ۳۶۰/۴

Ibn Taimiyah, *Majmū Al-Fatāwā,* 360/4

ساتھ متصف نہیں کیا جاسکتا، اس مسئلہ میں فعل کو وصف کفر سے متصف کرنا اور بات ہے اور فاعل کو متصف کرنا اور بات ہے۔ اگر وہ شخص قیام حجت کے بعد بھی اس فعل پر مصر ہے تو پھر وہ کافر ہے۔ اس کے چند دلائل ملاحظہ کیجیے:

1۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سابقہ امتوں میں ایک آدمی اپنی جان پر اسراف کیا کرتا تھا۔ جب اس کی موت کا وقت قریب آگیا تو اس نے اپنے بیٹوں سے کہا: جب میں فوت ہو جاؤں تو تم میری لاش کو جلا ڈالنا، پھر اس کو پیس کر ہوا میں بکھیر دینا، اللہ کی قسم! اگر اللہ تعالیٰ (میرے جمع کرنے پر) پر قادر ہوا تو وہ مجھے ایسا عذاب دے گا جو کسی اور کو نہیں دیا ہو گا۔ جب وہ فوت ہو گیا تو بیٹوں نے وہی کیا جو اس نے کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا: تجھ میں اس شخص کے جو ذرات ہیں، ان کو جمع کر دے، چنانچہ زمین نے تعمیل حکم کی تو وہ (مکمل جسم کے ساتھ اللہ کے سامنے کھڑا ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے پوچھا تجھے یہ کام کرنے پر کس چیز نے ابھارا۔ اس نے جواب دیا: اے میرے رب! صرف تیرے خوف نے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرمادیا۔[18]

اس آدمی نے یہ سمجھا کہ جب اس کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا جائے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو اٹھانے پر قادر نہیں رہے گا۔ یہاں یہ بات یاد رہے کہ اس کا یہ عقیدہ توحید اور اصل دین کے معارض نہیں تھا، اس کا ایمان مجمل نہیں ٹوٹا۔ جس چیز میں اس نے تاویل کی اور اسے نہ سمجھ سکا اس کا علم شرعی دلائل ہی سے ممکن تھا جس کی تفصیلات سے وہ ناواقف تھا، لہٰذا اس کی تکفیر نہیں کی گئی۔

وہ دوبارہ اٹھائے جانے پر اللہ کی قدرت کے عموم کا انکار کرتا ہے، وہ قدرت الٰہی کی تکذیب نہیں کرتا، کیونکہ اسے شبہ لاحق ہو گیا تھا، لہٰذا وہ کافر نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ جب تک شرائط نہ پائی جائیں اور موانع دور نہ ہو جائیں، محض شریعت کے کسی فعل کو کفر سے متصف کرنے سے کسی معین شخص کی تکفیر لازم نہیں آتی۔ اس مذکورہ مثال میں مانع یہ ہے کہ وہ دوبارہ اٹھائے جانے پر اللہ کی قدرت کی تفاصیل اور تقاضوں سے آگاہ نہیں تھا، اس کا آگاہ نہ ہونا ہی اس کی تکفیر میں مانع ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ اس آدمی نے یہ سمجھا کہ جب اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا تو اللہ رب العزت کی اس پر قدرت ختم ہو جائے گی، اس کے ساتھ اس نے یہ بھی سوچا کہ اس حالت میں اللہ تعالیٰ اس کو دوبارہ نہیں اٹھائے گا۔ اس شخص نے اللہ رب العزت کی قدرت اور جسموں کے دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کیا اور ان دونوں میں سے ہر ایک کا انکار کفر ہے لیکن یہ شخص اللہ پر اور اس کے اوامر پر ایمان اور اللہ کا ڈر اس کے دل میں تھا، اپنے ہی خیالات میں گم اپنے انکار کے انجام سے بے خبر تھا، لہٰذا اللہ رب العزت نے اسے معاف فرمادیا۔ اس بارے میں یہ حدیث صریح ہے کہ اس آدمی نے یہ سوچا کہ اس کا جسم ریزہ ریزہ ہو جانے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کو نہیں اٹھائے گا۔ اس کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ وہ عقیدہ معاد میں شک کرنے والا تھا، یہ کفر ہے۔ شرعی دلائل کی موجودگی میں عقیدے کے منکر کی تکفیر کی جائے گی۔ اس حدیث کی تشریح ایک اور انداز سے کرتے ہیں کہ یہ شخص اللہ تعالیٰ کے حقوق سے پوری طرح باخبر نہیں تھا اور نہ ہی اسے اللہ تعالیٰ کی سنت قدرت کی تفاصیل معلوم تھیں۔ اکثر مومنین کا یہی حال ہے، لہٰذا ان کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔[19] امام ابن وزیر اس حدیث کی تشریح میں لکھتے ہیں:

---

[18] بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۳۴۷۸۔

Bukhārī, *Al Jāmi Al-Sahīh*, Hadith: 3478

[19] ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی: ۱۱/۴۰۹-۴۱۰

Ibn Taimiyah, *Majmū Al-Fatāwā,* 409,410/11

"وہ شخص جاہل تھا، اللہ اور آخرت پر اس کا ایمان تھا اور سزا کا خوف اس پر طاری تھا، اسی لیے اللہ کی رحمت نے اسے آ لیا۔ جہالت کی وجہ سے اس نے اپنے لیے جو محال سمجھا وہ اللہ کی قدرت کے لیے بھی محال سجھا، وہ کافر نہیں ہے۔ کافر تو وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس انبیاء کی تعلیمات پہ پہنچیں کہ ااﷲ کی قدرت کے سامنے کچھ بھی محال نہیں ہے بلکہ سب کچھ ممکن ومقدور ہے"۔[20]

شریعت کا عام انکار کرنے والے کے کفر اور اللہ کے فرائض میں سے کسی خاص فریضہ یا صفات میں سے کسی صفت کا انکار کرنے والے کا کفر بیان کے بعد حافظ ابن القیم فرماتے ہیں:

"جہالت یا تاویل کی بنیاد پر کیے گئے انکار میں انسان معذور ہوتا ہے، اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے اللہ کی قدرت کا انکار کیا اور اپنے بیٹوں کو حکم دیا کہ وہ اس کا جسم جلا کر اس کی راکھ ہوا میں اڑا دیں۔ ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے معاف فرما دیا۔ اس پر اللہ کی رحمت اس کی جہالت کی بنا پر تھی۔ جو اس نے کیا وہی اس کے علم کی انتہا تھی۔ اس نے کسی عناد یا تکذیب کرتے ہوئے اللہ کی قدرت کا انکار نہیں کیا، لہذا اللہ نے اسے معاف فرما دیا"۔[21]

کچھ لوگوں نے اس حدیث کی تاویلات کی ہیں جو اصل مقصد سے بعید تر ہیں، جیسا کہ امام ابن الجوزی نے کہا:

"اللہ کی صفت قدرت کا انکار بالاتفاق کفر ہے، پھر اس حدیث کا یہ مفہوم بیان کیا: لئن قدر اللہ علی۔ اگر اللہ نے محمد پر تنگی کی، یعنی یہاں "قدر: بمعنی "ضیق' ہے جیسا کہ قرآن حکیم ہیں ہے: ومن قدر علیہ رزقہ۔ جس پر اس کا رزق تنگ کر دیا گیا۔[22]

حدیث کے مفہوم سے یہ تاویل ابعد ترین ہے۔ ابن تیمیہؒ نے اس کا زبردست تعاقب کیا ہے۔[23] اور امام ابن حزم اس کے رد میں لکھتے ہیں:

"یہ انسان اس بات سے بے خبر تھا کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی خاک کو جمع کرنے اور زندہ کرنے پر قادر ہے، اس کے اقرار، خوف اور جہالت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا۔ کچھ تحریف کرنے والوں نے کہا ہے کہ لئن قدر الله علی کا معنی لئن ضیق الله علی "(اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی) ہے، جیسا کہ قرآن حکیم میں بھی لفظ

---

[20] ابن وزیر، ایثار الحق علی الخلق، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ص: ۴۳۶

Ibn Wazīr, *Īsār Al-Haq Alā Al-Khalq*, Beirut, Dār Al-Kutub Al-Ilmiyah, p.436

[21] ابن قیم، مدارج السالکین، تحقیق: محمد حامد الفقی، بیروت، دار الکتاب العربی، ۱۳۹۲ھ: ۳۳۸/۱

Ibn Qayyam Al-Jouzī, *Madarijj Al-Sālikīn, Beirut, Dār Al-Kitāb Al-Arabī, 1392h, 338/1*, 338/1

[22] ابن حجر، فتح الباری، المطبعہ السلفیہ، مکتبہ الریاض الحدیثہ: ۵۲۶/۶۔

Ibn Hajr Asqalānī, Ahmad bin Alī, *Fath Al-Bārī*, Riyadh, Maktabah Al-Riyadh Al-Hadithah, 526/6

[23] ابن تیمیہ، مجموع الفتاویٰ: ۴۱۱/۱۱

Ibn Taimiyah, *Majmū Al-Fatāwā,* 411/11

قدر" بمعنی ضیق" استعمال ہوا ہے۔ مگر یہ تاویل باطل اور ناممکن ہے کیونکہ اس تاویل کی رو سے حدیث کا معنی یہ ہوگا: لئن ضیق اللہ علی لیضیقن علی (اگر اللہ نے مجھ پر تنگی کی تو وہ مجھ پر تنگی کرے گا۔) اگر اس کی یہی تاویل کریں تو پھر اس کا جلانے، ہوا میں اڑانے اور خاک بنانے کی وصیت بے معنی ہو کر رہ جاتی ہے اور اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ اس نے یہ سارا سلسلہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے رستگاری کے لیے کیا تھا"۔[24]

کچھ لوگوں نے اس حدیث کی یہ تاویل کی ہے کہ اس شخص پر دہشت اور خوف طاری تھا اور وہ حواس باختہ تھا، یہ کلمات بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گئے، ورنہ در حقیقت وہ دوبارہ اٹھائے جانے پر اللہ کی قدرت سے ناواقف نہیں تھا، جب اس کا مقصد اس کے قول کے مطابق نہیں تھا تو صرف قول پر اس کا مواخذہ نہیں ہوا۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

"کچھ لوگوں نے کہا کہ الفاظ کا مفہوم ظاہر کے مطابق ہے لیکن اس شخص نے جو کلمات ادا کیے وہ بے ساختہ اس کی زبان سے نکل گئے۔ وہ ان کے معانی اور ان سے مترشح عقیدے کا ارادہ کرنے والا نہیں تھا بلکہ اس وقت اس پر خوف، دہشت اور جزع کی کیفیت طاری تھی، اس کے حواس اور تدبر سب ختم ہو چکا تھا، وہ اس وقت غافل اور ناسی کی طرح ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس حالت میں اس کا مواخذہ نہیں کیا گیا۔ اس آدمی کی حالت بالکل اس آدمی جیسی ہے جس نے اپنی سواری کھونے کے بعد پائی تو شدتِ مسرت سے بولا: (اے میرے رب!) تو میرا بندہ اور میں تیرا رب۔ لہذا اس دہشت، نسیان اور حواس باختگی کی بنا پر اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔"[25]

اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ کلمات بے ساختہ اس کی زبان پر جاری ہو گئے تھے، اس کا قصد و ارادہ اس میں شامل نہیں تھا، حالانکہ یہ تاویل حقائق اور دلالتِ حدیث کے خلاف ہے۔ اس آدمی کی حالت اس بات کو واضح کرتی ہے کہ اس نے جو کہا وہ اچانک یا سبقتِ لسانی کی بنا پر نہیں کہا بلکہ اس نے اپنے سب بیٹوں کو جمع کیا، اپنے احوال کے بارے میں ان سے دریافت کیا، اللہ کے عذاب کے ڈر اور خوف کے بارے میں ان کو آگاہ کیا، پھر ان سے پختہ عہد لیا کہ اس کی وفات کے بعد وہ اس کے جسم کو جلا کر اس کی راکھ اڑا دیں، جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت ہے کہ اس نے اپنی اولاد سے کہا: جو میں تم کو کہتا ہوں تم اس کی تعمیل ضرور کرو گے، ورنہ میں اپنی وراثت کا حقدار تمہارے سوا کسی اور کو بنا دوں گا۔ اس نے ان سے پختہ عہد لیا، چنانچہ اس کے بیٹوں نے ویسا ہی کیا۔[26]

یہ بات تو عقل سے بعید ہے کہ وہ اپنے بیٹوں کو جمع کرے، ان سے اپنی حالت دریافت کرے، اپنے خیالات سے ان کو باخبر کرے، آخرت کے عذاب کے بارے میں اپنا خوف ان پر ظاہر کرے، پھر وہ ان سے پختہ عہد لے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کی لاش جلائیں اور راکھ ہوا

---

[24] ابن حزم، الفصل فی الملل والاھواء والنحل، بیروت، دار المعرفہ، طبع ثانی، ۱۳۹۶ھ، ۲۵۲/۳

Ibn Hazm, *Majmū Al-Fasl Al-Milal wa Al-Ahwā, wa Al-Nahl,* Beirut, Dar Al-Mārifah, 2nd ed.1392AH 252/3

[25]۔ نووی، شرح صحیح مسلم، لاہور، مکتبہ اسلامیہ، ۷۱/۱۷

Imam Nav'vī, *Sharah Sahīh Muslim,* Lahore, Maktabah Islamiyah, 71/17

[26]۔ مسلم بن حجاج، الجامع الصحیح، ریاض، دار السلام للنشر والتوزیع، حدیث: ۲۷۵۷

Muslim bin Hujjāj, *Al-Jāmi Al-Sahīh*, Riyadh, Dār Al-Salām Li Nashr wa Al-Touzīh, Hadith: 2757

میں اڑادیں اور یہ سارا کچھ بغیر ارادے اور قصد کے ہی ہو جائے! عقل ایسا سوچنے سے قاصر ہے۔

پھر اللہ کی بارگاہ میں اس نے اپنے قصد کی تردید نہیں کی بلکہ اقرار کیا اور اللہ کے سامنے اس بات کا اظہار کیا کہ اس کے اس قصد اور اس قصد سے نکلنے والے کلمات کا سبب صرف اور صرف اللہ کے عذاب کا خوف تھا۔ اس کی حالت کو اس آدمی کی حالت پر قیاس کرنا جس نے سبقتِ لسانی میں کہا تھا؛ اللهم انت عبدی وانا ربک۔[27] قیاس مع الفارق ہے۔

2- اس کی مثالوں میں سے سیدنا قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ کا مشہور واقعہ ہے۔ انھوں نے تاویل کرتے ہوئے شراب کو حلال سمجھا۔ جب سیدنا عمر بن خطاب نے ان پر حد نافذ کرنا چاہی تو اس نے کہا: جس طرح لوگ تاویل کرتے ہیں اگر میں اس کے مطابق شراب پیتا تو تمہارے لیے مجھ پر حد نافذ کرنے کا کوئی جواز باقی نہ رہتا۔ سیدنا عمر نے پوچھا: کیوں؟ تو حضرت قدامہ نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَيۡسَ عَلَى ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ جُنَاحٞ فِيمَا طَعِمُوٓاْ. [28]

"جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کیے ان پر ان اشیا میں کوئی گناہ نہیں ہے جو وہ کھائیں۔"

حضرت عمرؓ نے کہا:

"تم نے تاویل میں غلطی کی ہے، اگر تم اللہ سے ڈرتے تو پھر اس کی حرام کردہ اشیاء سے اجتناب بھی کرتے، لہذا سیدنا عمر نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم دے دیا۔"[29]

قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ صحابی تھے، ان کا تعلق عرب سے تھا، وہ کتاب اللہ کے معانی کو جانتے تھے، ان کے پاس حرمت شراب کی نص آ پہنچی تھی، وہ اس نص کو اچھی طرح سمجھتے تھے لیکن انھوں نے تاویل کی کہ شراب حلال ہے۔ اس سے ان کا مقصد نص کی تردید نہیں تھا، ان کو اس ایک شبہ لاحق ہو گیا کہ حرمت شراب کی نص عام ہے، سورہ مائدہ کی آیت نے اس کی تخصیص کر دی، لہٰذا انھوں نے اپنے فہم کے مطابق شراب کو حلال سمجھتے ہوئے پی لیا اور یہ سمجھا کہ شراب مطلقا حرام نہیں ہے۔ جب حضرت عمر بن خطاب نے ان پر حد نافذ کرنا چاہی تو انہوں کہا کہ ان کے اس فعل سے ان پر حد لازم نہیں آتی، انہوں نے ایسی چیز نوش کی ہے جو ان کے نزدیک حلال ہے۔

حضرت قدامہ نے شراب کا استحلال کیا اور اس کا استحلال کفر ہے لیکن باوجود اس کے سیدنا عمر اور صحابہ میں سے کسی نے ان کی تکفیر نہیں کی کیونکہ انہوں نے اللہ کے حکم کی تکذیب اور تردید کرتے ہوئے شراب کو حلال نہیں سمجھا بلکہ وہ تو مجتہد تھے جن سے اجتہاد میں غلطی سرزد ہو گئی اور مجتہد مخطئ پر کوئی گناہ نہیں ہوتا چہ جائیکہ اس کی تکفیر کی جائے!

سیدنا عمر بن خطاب نے ان پر قیام حجت کیا، ان کے شبہات کو دور کیا اور کہا: تم نے تاویل میں غلطی کی ہے، اگر تقوی تمھارے دل میں ہوتا تو تم اس کی حرام کردہ اشیاء سے ضرور اجتناب کرتے۔

---

[27]۔ بخاری، الجامع الصحیح، حدیث: ۶۳۰۸

Bukhārī, *Al Jāmi Al-Sahīh*, Hadith:6308

[28]۔ المائدۃ، ۵: ۹۲

Al-Mā'idah, 5:92

[29]۔ عبدالرزاق، المصنف، مصر، دار التاصیل، ۱۴۳۶ھ: ۲۴۰/۹

Abd-ur-Razzaq, Al-Musannaf, Egypt, Dār At-Tā.sīl, 1436AH, 240/9

اگر حضرت قدامہ شراب پینے پر اصرار کرتے، شبہات زائل ہونے کے بعد بھی استحلال کے قائل رہتے اور ان پر قیام حجت بھی ہو جاتا تو پھر وہ بالیقین کافر ہو جاتے۔ جب انھوں نے شراب کی حرمت کا اعتراف کر لیا تو سیدنا عمر نے ان کو کوڑے لگوائے۔ حضرت قدامہ اور ان کے ساتھیوں کے استحلال خمر کے واقعہ پر امام ابن تیمیہ تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جب ان کا مقدمہ سیدنا عمر کے سامنے پیش ہوا تو سیدنا علی اور سب صحابہ اس بات پر متفق ہو گئے کہ اگر وہ حرمت شراب کا اعتراف کر لیں تو ان کو کوڑے لگائے جائیں اور اگر وہ اس کے استحلال پر اصرار کریں تو ان کو قتل کر دیا جائے۔[30]

گزشتہ بحث سے یہ بات سامنے آگئی کہ تکفیر معین کے لئے یہ شرائط ہیں:

- دلیل کا پہنچنا
- اس کا سمجھنا
- جس کے پاس یہ دلیل پہنچی ہے اس کو کوئی شبہ لاحق نہ ہونا۔
- جس کے پاس دلیل نہیں پہنچی یا دلیل تو پہنچی ہے وہ اس کا صحیح فہم حاصل نہیں کر سکا یا وہ اس کا فہم بھی حاصل کر چکا لیکن اس کو کوئی شبہ لاحق ہو گیا تو ایسے شخص کی تکفیر نہیں کی جائے گی یہاں تک کہ اس پر شرعی حجت قائم ہو جائے۔

یہاں ایک بات اور سامنے آئی کہ فہم حجت اور قیام حجت کے درمیان تفریق درست نہیں ہے اور یہ کہنا بھی غلط ہے کہ فہم حجت کے بغیر بھی قیام حجت ہو جاتا ہے کیونکہ حجت اسی پر قائم ہو گی جو اس کو سمجھے گا اور اس کے مفہوم کو جانے گا، البتہ فہم حجت کے بعد انسان اس سے رہنمائی لیتا ہے یا نہیں، یہ قیام حجت کی علت سے ایک خارجی امر ہے۔

یہ سارے دلائل اس بات کو واضح کرتے ہیں کہ حکم لگانے میں معین شخص کا قصد بھی معتبر ہو گا، اس کی حقیقت حال سے آگاہی ضروری ہے اور یہ جاننا بھی لازمی ہے کہ اس سے صادر ہونے والے اقوال و افعال کا باعث تکذیب و استحلال ہے یا جہالت اور تاویل۔ جو بھی باعثِ فعل ہو گا، فیصلہ اسی کے مطابق ہو گا۔

3۔ اسی بحث سے متعلقہ واقعہ ذات انواط کا بھی ہے۔ ابو واقد لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حنین کے لیے نکلے اور ہم کفر کے زمانے سے ابھی بہت قریب سے گزرے تھے، کفار کا ایک بیری کا درخت تھا جہاں وہ جا کر رُکتے تھے اور اس پر اپنا اسلحہ لٹکایا کرتے تھے، اسے "ذات انواط" کہا جاتا تھا چنانچہ راستے میں ہم لوگ ایک بیری کے درخت سے گزرے تو ہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! (ﷺ) ہمارے لیے بھی ایک ذات انواط مقرر فرما دیجیے جیسا کہ مشرکین کا ایک ذات انواط ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ اکبر! یہی تو (گمراہی اور سابقہ قوموں کے) راستے ہیں، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! تم نے تو وہی بات کہہ دی جو بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہی تھی {اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ} کہ اے موسیٰ! ہمارے لیے بھی

30۔ ابن تیمیہ، مجموع الفتاوی: ۱۱/۴۰۳

Ibn Taimiyah, *Majmū Al-Fatāwā,* 403/11

ایک معبود ایسا ہی مقرر کر دیجیے جیسے ان کے یہ معبود ہیں۔ واقعی تم لوگوں میں بڑی جہالت ہے. پھر نبی ﷺ نے فرمایا تم بھی پہلی امتوں کے طریقوں پر چلوگے۔"[31]

اس حدیث کی دلالت میں علماء کا اختلاف ہے۔ کیا حدیث کی دلالت یہ ہے کہ صحابہ کا مطالبہ شرک تھا یا پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کو صرف مشابہت سے منع فرمایا ہے، وہ شرک میں واقع نہیں ہوئے تھے؟ کیا اس کی دلالت صرف یہی ہے کہ صحابہ کو گزشتہ امتوں کے طریقوں سے منع فرمادیا یا پھر صحابہ نے گزشتہ امتوں کے ان شرکیہ امور کی مشابہت اختیار کرلی تھی؟

اس واقعہ کو خواہ پہلے معنی پر محمول کیا جائے یا دوسرے پر، تکفیر کے معاملہ میں اہل سنت کے اصول وہی ہیں جو پیچھے گزر چکے ہیں، ان معانی سے ان اصولوں کے ساتھ کوئی ٹکراؤ لازم نہیں آتا، کیونکہ حدیث کا مفہوم اگر ان کو محض مشابہت سے روکنا تھا تو اس واقعہ کا اس باب کے ساتھ کوئی تعلق نہیں کیونکہ کفار و مشرکین کی مشابہت اگرچہ جرم عظیم ہے، باعثِ سزا اور ممنوع ہے لیکن پھر بھی محض مشابہت باعثِ کفر نہیں ہے اور اگر صحابہ کا مطالبہ شرک کا متقضی تھا پھر بھی نبی ﷺ نے ان کی تکفیر نہیں کی بلکہ ان کی تحذیر کی اور منع فرمایا۔

جو بھی شخص ظاہری طور پر امور شرکیہ میں ملوث ہو گیا تو صرف اس کے قول اور فعل کی بنا پر اس کو کافر نہیں کہا جائے گا بلکہ شرائط کا پایا جانا اس موانع کا نہ ہونا ضروری اور لازمی ہے، پھر فیصلہ کیا جائے گا۔ قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں:

> "اس امت کا جاہل اور مخطی (غلطی سے عمل کرنے والا) اگر کفریہ اور شرکیہ عمل کا ارتکاب کرلے تو وہ کافر یا مشرک نہیں ہوگا بلکہ جہالت اور غلطی کی بنا پر معذور ہوگا۔ جب اس کے پاس واضح حجت آجائے، جس میں کسی قسم کے التباس کا خدشہ نہ ہو اور جس کا تارک کافر ہو جائے یا پھر وہ شخص دین اسلام کے ایسے لازمی اور ضروری حکم کا انکار کر دے جس پر قطعی اجماع جلی ہو چکا ہے اور جس کو ہر مسلمان بغیر نظر و تامل کے جانتا اور پہچانتا ہے تو اس شخص کو کافر کہا جائے گا"۔[32]

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اپنے زمانے کے لوگوں کے شرکیہ احوال کا تذکرہ فرمایا لیکن صرف انہیں افعال کی وجہ سے ان پر کفر کا حکم نہیں لگایا، چنانچہ اس سلسلہ میں فرماتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات آجانے کے بعد ہم بالیقین جان چکے ہیں کہ اس امت کے لیے نہ مردوں کو پکارنا جائز ہے نہ انبیاء و صالحین کو، نہ ان سے استغاثہ جائز ہے اور نہ استعاذہ، نہ کسی میت کو سجدہ روا ہے اور نہ کسی اور۔ یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں اور ان کا تعلق شرک سے ہے جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام قرار دیا ہے لیکن لوگوں میں

---

[31]۔ ترمذی، محمد بن عیسیٰ، سنن الترمذی، مصر، شرکہ مکتبہ ومطبعۃ المصطفیٰ البابی الحلبی، حدیث: ۲۱۸۱

Tirmidī, Muḥammad bin Essa. *Sunan al Tirmidī,* Egypt: Shirkah Maktabah wa Maṭba' tul Muṣṭafa al Bābī al Ḥalbī, 1975), Ḥadīth:2181

[32]۔ قاسمی، محمد بن محمد، محاسن التاویل، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۳۲۹ھ، ۱۳۰۷/۵

Qāsmī, Muhammad bin Muhammad, *Mahāsin al-Tāwīl*, Beirut, Dār Al-Kutub Al-Ilmiyah, 1329AH, 1307/5

جہالت عام ہے اور آثار و روایت کے بارے لوگوں کا علم نہ ہونے کے برابر ہے۔ لہذا جب تک ان کے سامنے رسول اللہ ﷺ کے فرمودات اور ارشادات عالیہ کو واضح نہیں کیا جاتا اس وقت تک ان کی تکفیر ممکن نہیں"۔[33]

یہاں امام ابن تیمیہ کا یہ مقصد ہرگز نہیں ہے کہ جو غیر اللہ کی بندگی اور پوجا کرے وہ مطلقاً معذور ہے بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ جو مظاہر شرک میں سے کسی کا ارتکاب کرے تو قیام حجت کے بغیر اس کی تکفیر لازم نہیں ہے کیونکہ ممکن ہے وہ شخص جاہل ہو، اس کے پاس شرعی دلیل نہ ہو یا اسے کوئی شبہ لاحق ہو گیا ہو جس کی وجہ سے وہ کسی تاویل کا مرتکب ٹھہرا ہو اور یہ دونوں چیزیں ہی مانع تکفیر ہیں۔ گویا امام ابن تیمیہ کا یہ تبصرہ اور کلام لوگوں کے ظاہر پر حکم لگانے سے ہے۔ البتہ جو شخص غیر اللہ کے قرب کا متلاشی ہے یا ان کی عبادت کرتا ہے تو وہ ظاہر و باطن دونوں اعتبار سے کافر ہے، اس پر قیام حجت ہوا ہے یا نہیں، البتہ اول الذکر صورت میں صرف ظاہری فعل سے حقیقت حال واضح نہیں ہوتی، اس لیے اس میں قیام حجت کی شرط لگادی گئی۔ امام ابن تیمیہ نے کفر کے احتمالی افعال میں شرط لگادی کہ ان افعال کے پاس شرعی دلائل کا علم بھی ہو اور شبہات وغیرہ میں سے کوئی مانع بھی موجود نہ ہو، پھر ان کی تکفیر کی جائے گی۔

خلاصہ بحث:

مسئلہ تکفیر میں جس طرح ظاہر اور باطن کے مابین تعلق کی حقیقت میں مختلف مذاہب کے اہل علم نے اختلاف کیا ہے اسی طرح لوگوں پر حکم لگانے میں بھی ان کی رائے مختلف ہے۔ بعض کا نقطہ نظریہ ہے کہ لوگوں پر کفر کا حکم ان کے باطن کے اعتبار سے لگایا جائے گا۔ محض ظاہری عمل ایسی قطعی دلیل نہیں جسے سامنے رکھ کر کفر کا فیصلہ ہو سکے۔ یہ موقف مرجئہ کا ہے۔ جبکہ بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ ظاہر اور باطن ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ مطلقاً ظاہر عمل کو دیکھ کر باطن پر حکم لگایا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں آراء باہم متناقض و متضاد ہیں۔ صحیح اور معتدل منہج اہل سنت کا ہے اور وہ یہ ہے کہ لوگوں پر کفر کا حکم لگاتے ہوئے ظاہر اور باطن دونوں کا اعتبار ضروری ہے۔ ظاہر اور باطن ایک دوسرے کو لازم و ملزوم ہیں لیکن ان کا یہ تلازم کلی نہیں ہے۔ وہ ظاہر اور باطن کے مابین تلازم کے قائل ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ شروط کے پائے جانے اور موانع کے نہ پائے جانے کے بھی قائل ہیں۔ وہ فاعل کے قصد و نیت کو بالائے طاق رکھ کر محض ظاہر کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے اور نہ ہی ظاہر کو چھوڑ کر صرف نیت و قصد کے مطابق احکام صادر کرتے ہیں۔ وہ عمل اور نیت دونوں کو ملحوظ رکھتے ہیں اور وہ شرعی ضوابط کے مطابق کسی معین شخص پر حکم لگانے کے لئے ان دونوں کے ثبوت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ وہ کسی معین شخص پر حکم لگانے کے لیے مطلق طور پر ظاہری عمل کو ناکافی سمجھتے ہیں، اسی طرح کسی پر حکم لگانے کے لئے محض باطن کافی نہیں، کیونکہ اس کی حالت کا علم وحی الٰہی کے علاوہ ممکن نہیں ہے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو چکا ہے۔

---

[33] ۔ابن تیمیہ، الرد علی البکری، دہلی، الدار العلمیہ، طبع دوم، ۱۴۰۵ھ، ص: ۳۶۰/۴۔

Ibn Taimiyah, *Al-Radd Alā Al-Bikrī,* Dheli, Ad-Dār Al-Ilmiyah , 360/4